بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

برہان میں گذشتہ چند مہینوں سے ڈاکٹر خورشید احمد صاحب فارق کا جو مضمون مسلسل شائع ہورہا ہے اس کے متعلق متعدد احباب میں سے بعض نے خط کے ذریعہ اور بعض نے زبانی وقتاً فوقتاً چند شکایتیں اور اس سلسلہ میں اپنی بے زاری کا اظہار کیا ہے۔ ارادہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے ختم ہونے کے بعد میں خود ایک مضمون لکھوں گا جس کی نوعیت ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے اوپر ایک تبصرہ کی ہوگی اور اس میں ضمناً اس پر بھی گفتگو آتی کہ ہمارے متقدمین اور متاخرین اصحاب تاریخ وسیر کی تاریخ نگاری کے انداز میں کیا فرق ہے اور کیوں ہے چنانچہ جن احباب سے گفتگو ہوئی انسے یہ بات زبانی طور پر اور جنھوں نے خط لکھے تھے ان سے تحریراً اپنے اس ارادے کا اظہار کر بھی دیا تھا لیکن ابھی پچھلے دنوں روزنامہ الجمعیتہ دہلی مورخہ ۴۔ فروری میں ایک غائبانہ دوست نے نہایت اشتعال انگیز خط اس مضمون کے متعلق شایع کردیا اس بنا پر ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ معروضات پیش کردیے جائیں۔

---

(۱) ڈاکٹر خورشید احمد فارق قارئین برہان کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ ان کی تین کتابیں[۱]

۱۔ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط

---

[۱] تاریخ تحقیقہ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں اور عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان یہ تین کتابیں بھی فارق

۱۔ حضرت ابو بکرؓ کے سرکاری خطوط۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط الگ الگ تین ضخیم جلدوں میں قارئین برہان کے حلقوں میں بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی ہیں اور اخبارات و رسائل میں ان پر بہت اچھے تبصرے ہوئے ہیں اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں فتنۂ ارتداد پر ڈاکٹر صاحب کی جو کتاب انگریزی میں شائع ہوئی ہے مسلمانوں کے علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں جو شخص ڈاکٹر صاحب سے ذاتی طور پر واقف ہے وہ جانتا ہے کہ عرب کے عام پروفیسروں کی طرح انھوں نے مغربی لباس آج تک کبھی نہیں پہنا اور ان کا چہرہ خدا کے نور سے مزین بھی ہے اور اسی وضع قطع میں وہ مدت دراز سے اس علاقے میں رہتے ہیں جو مسلمانوں کی آبادی سے دور ہے اور جہاں اکے دکے مسلمان ہی مل سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت گوشہ نشین بے لوث اور بے غرض آدمی ہیں اور اپنے تجربہ کی بنا پر میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان کو اپنے اور مفتی صاحب کے ساتھ نماز پڑھتے جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے اور روزہ رکھتے بھی دیکھا ہے۔

---

(۲) برہان خالص علمی اور دینی ماہنامہ ہے اس میں جو مضامین شایع ہوتے ہیں وہ بغیر حوالہ کے نہیں ہوتے۔ بہت سے اچھے اچھے مضامین جو بغیر حوالہ کے دفتر برہان میں موصول ہوتے ہیں ان کو ناقابلِ اشاعت قرار دے کر واپس کر دیا جاتا ہے اس بنا پر اگر برہان کے کسی مضمون کے کسی حصہ سے کسی صاحب کو کوئی شکایت پیدا ہو تو ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ قابلِ شکایت عبارت کا حوالہ مضمون میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر موجود ہے تو یہ حوالہ مسلمانوں کے نزدیک

معتبر کتاب کا ہے یا نہیں۔ اگر کسی معتبر کتاب کا ہے تو پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ اصل عربی کی عبارت اور اُردو کی عبارت میں مطابقت ہے یا نہیں۔ اگر مطابقت ہے تو اب معترض کا طریقہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ مضمون نگار یا ایڈیٹر برہان کسی سے یہ دریافت کریں کہ اصل حوالہ کی کتاب میں یہ عبارت کیوں ہے اور اس کا کیا مطلب ہے اور اس پر جو اعتراض پڑتا ہے اس کا کیا جواب ہے اور اگر معترض کے ذہن میں حوالہ کی عبارت کے مقابل کسی اور کتاب کی کوئی عبارت ہے تو اس کو علمی انداز میں تحریر کر کے ایڈیٹر برہان کے پاس بھیج دیں۔ ایڈیٹر کا یہ فرض ہوگا کہ وہ معترض کے اعتراض کو بھی برہان میں شایع کرے اور ایسا برابر ہوتا آیا ہے۔

---

(۳) اب تک زبانی یا تحریری طور پر متعلقہ مضمون سے متعلق جو شکایات موصول ہوتی رہی تھیں ان سب کا حاصل ایک ہی بات تھی یعنی ان حضرات کو مضمون کے لب ولہجہ اور زبان سے شکایت تھی لیکن فاضل مکتوب نگار پہلے شخص ہیں جنھوں نے برہان اور مضمون کے متعلق ایسا شدید الزام لگایا ہے جس کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ جہاں تک طرز بیان اور انداز تحریر کا تعلق ہے تو ہم صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ یہ انداز تحریر ہم لوگوں کو بھی قطعاً پسند نہیں ہے چنانچہ مفتی صاحب متعدد مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو اس طرف توجہ دلا چکے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کا جواب یہ ہے کہ میں اردو اسی انداز میں لکھنا پسند کرتا ہوں جس انداز میں مورخین اسلام لکھتے ہیں۔ مورخین اور محدثین صرف نام لکھتے ہیں اس کے ساتھ کوئی القاب یا آداب نہیں لکھتے ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس راہ کو چھوڑ کر بزرگوں کے ناموں کے ساتھ القاب و آداب کی بھرمار کی ہے وہ صرف رسم پرستی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں

اور حقیقت سے بہت دُور ہو گئے۔ میرے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی یہ دلیل دُرست نہیں کیونکہ املاء اور انشاء کے آداب کا جہاں تک تعلق ہے اِس زبان کی رعایت رکھنی ضروری ہے جو ترجمہ کی زبان ہے نہ کہ عربی یا اور کوئی زبان جس سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں سورج مؤنث ہے لیکن ہم اُردو میں لکھیں گے تو لازمی طور پر طلعت الشمس کا ترجمہ سورج نکل آیا کریں گے۔ یہ میرا پختہ اور قطعی خیال ہے چنانچہ آپ میرے کسی مضمون میں "قل" کا ترجمہ "تو کہہ" نہیں دیکھیں گے۔

---

(۴) لیکن میں اپنے اِس خیال میں پختہ ہونے کے باوجود اپنا فکر دوسروں پر تھوپنا پسند نہیں کرتا کیوں کہ بُرہان ایک علمی پرچہ ہے اِس بناء پر اتنی رواداری اِس کے لئے ضروری ہے اور خصوصاً اِس لئے کہ طرزِ تحریر کے بارے میں ہمارے مفسرین و مترجمین مختلف رہے ہیں ایک طبقہ جو حضرت شاہ رفیع الدین اور اُن کے متبعین پر مشتمل ہے وہ قرآن کے صیغوں کے تتبع میں واحد مذکر حاضر کا صیغہ استعمال کرنا ہی مناسب سمجھتا ہے لیکن علماء اور مفسرین کا ایک اور طبقہ ہے جو اِس کو پسند نہیں کرتا اور حضور کے لئے تثنیہ یا جمع مذکر حاضر کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ میں اگرچہ ذاتی طور پر موخر الذکر طریقہ کو پسند کرتا ہوں لیکن اول الذکر طریقہ کو بھی غلط یا نامناسب نہیں کہتا۔

---

(۵) جہاں تک میرے اپنے احساس کا تعلق ہے میں قارئین برہان کو یقین دلاتا ہوں کہ متعلقہ مضمون کے جس حصّہ سے مجھ کو سخت تکلیف پہونچی ہے

وہ وہ ہے جس میں ان ھی الاثلث الغرانیق العلی ...... والا واقعہ ڈاکٹر صاحب نے نقل کیا ہے میں کبھی اس واقعہ کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے اپنی طبیعت کو آمادہ نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ واقعہ شانِ نبوت اور مقامِ نبوت کے قطعاً خلاف ہے اور اسی بناء پر میں نے ارادہ کیا تھا کہ مضمون کے ختم پر میں خاص اس واقعہ کے متعلق ایک تحقیقی مضمون شائع کروں گا اور وہ مضمون میرے پاس موجود ہے لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے اور حافظ ابن حجر کو فتح الباری میں اس روایت کی صحت پر اصرار ہے تو اب کوئی شخص اس واقعہ کو نقل کرتا ہے تو برہان کی علمی رواداری کو اس کے حک و فک کا کیا حق پہنچتا ہے۔

---

(۶) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا کے باب میں تاریخ و سِیَر کی کتابوں میں متعدد واقعات ایسے نظر آتے ہیں جو میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں یا مبالغہ آمیز ہیں اس لیے جب کبھی میں خود سیرت پر کوئی کتاب لکھوں گا تو ان روایتوں کو نظر انداز کر دوں گا۔ لیکن اگر کوئی شخص ان روایتوں کو امہاتِ کتبِ تاریخ و سِیَر کے حوالے سے نقل کرتا ہے تو میں اس میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ آخر کوئی شخص کتنا ہی بڑا مسلمان ہو ابن سعد۔ واقدی۔ عروۃ بن زبیر۔ ابن ہشام اور طبری سے زیادہ بڑا مسلمان تو نہیں ہو سکتا۔

---

(۷) عالم اسلام میں اس وقت جو علمی ہماہمی اور تحقیق و تنقید کی گرم بازاری ہے اس کی وجہ سے عالم اسلام کے محققین جلد قدیم اسلامی علوم و فنون کی از سرِ نو تحقیق و تنقید کا کام کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اس کے بعد پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ الگ ہو جائے گا۔ برہان کی کی خواہش ہے کہ یہ کام ہندوستان میں بھی ہونا چاہئے اور اس کی صورت یہی ہے کہ جو کچھ رطب ویابس ہماری قدیم کتابوں میں موجود ہے اس کی تحقیق اور تنقید کر کے زرِ خالص کو ملاوٹ سے الگ کر دینا چاہئے یہ وقت کا بہت بڑا تقاضہ ہے اور علماء کا فرض ہے کہ وہ اس طرف متوجہ ہوں۔

---

(۸) آخر میں فاضل مکتوب نگار اور ادارہ الجمعیۃ دہلی سے یہ شکایت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ برہان اور ندوۃ المصنفین اور اس کے کارکن ان دونوں کے لئے اجنبی نہیں بلکہ جانے پہچانے لوگ ہیں اس بنا پر اگر فاضل مکتوب نگار اپنا خط اخبار میں اشاعت کے لئے بھیجنے سے قبل مفتی صاحب یا ایڈیٹر برہان کے نام یہ خط بھیج دیتے اور اسی طرح اگر اخبار الجمعیۃ اس خط کو شایع کرنے سے پہلے دفتر برہان میں مفتی صاحب یا میرے نام بھیج دیتا اور ہم سے وہ اس کا جواب طلب کرتا تو یہ زیادہ قرینِ صواب ہوتا۔ ایک موہوم خیال پر مکتوب نگار کا نہایت اشتعال انگیز خط لکھنا اور ادارہ الجمعیۃ کا اس کو نمایاں طور پر شایع کرنا برہان اور ندوۃ المصنفین جیسے مشہور نیک نام اور خادم ملت و دین اداروں کے ساتھ دوستی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔ واللہ شہید علیٰ ما اقول۔

افسوس ہے کہ ایڈیٹر برہان کی علالت (فلو) کی وجہ سے اس مہینہ کا برہان علی گڑھ یونیورسٹی کے مضمون کی سترھویں قسط اور تبصروں سے خالی جا رہا ہے۔ یہ مندرجہ بالا سطور بھی ایک دوست سے املا کرائی گئی ہیں خود لکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ انشاء اللہ آئندہ مہینے میں اس کی تلافی کر دی جائے گی۔

بیان ملکیت و تفصیلات متعلقہ برہان دہلی

فارم چہارم قاعدہ ۸

۱۔ مقامِ اشاعت — اُردو بازار جامع مسجد دہلی

۲۔ وقفہ اشاعت — ماہانہ

۳۔ طابع کا نام — حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں
قومیت — ہندوستانی
سکونت — اُردو بازار جامع مسجد دہلی

۴۔ ناشر کا نام — حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں

۵۔ اڈیٹر کا نام — مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے
قومیت — ہندوستانی
سکونت — تغلق آباد۔ نئی دہلی

۶۔ مالک — ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی ۶

میں محمد ظفر احمد خاں ذریعہ ہذا اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق صحیح ہیں

محمد ظفر احمد

مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۶۰ء